رجحان ساز غزل گو
بہ حوالہ تصورِ مرگ وحیات
(خلیل الرحمان اعظمی تا ظفر اقبال)

ڈاکٹر صائمہ شمس
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو
لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی

Abstract

In this article, verses related to the concept of life and death from Khalil-ur-Rahman Aazmi (1927-1978), Fazal Din Anjum Romani (1927 - 2001), Aziz Hamid Madni (1929 - 1991), Mustufa Zaidi (1930 - 1970) and Zafar Iqbal's Urdu Ghazal has been selected and tried to highlight every poet's individual approach.

خلیل الرحمٰن اعظمی نے کٹی پھٹی روحوں اور گلے سڑے بدن کی دنیا میں زندگی کا پیرہن تلاش کیا ہے۔ زہر پی کر جینا اس کے لیے الگ بات ہے مگر وہ زندگی کے لب رنگیں کی حلاوت کا بھی طلبگار رہے۔ آدم کے لیے زمین تنگ ہوگئی ہے اور ''آدم نما'' کو ''حق رہائش'' مل رہا ہے اس لیے دنیا سگ دیوانہ سے بدتر ہے۔ خلیل الرحمٰن اعظمی

> ''ایک معلم کی ذہنیت اور ایک دانشور کا دماغ رکھتے تھے مگر انہیں رہنے کو وہی گھر ملا جہاں خود ان کے الفاظ میں ایک سے ایک ابوجہل نے اپنا مسکن بنالیا تھا، وہ عملی زندگی میں ان پر قابو نہیں پا سکے اور شاید کوئی کہنے والا یہ بھی کہہ دے کہ یہی باتیں ان کی قبل از وقت وفات کا باعث بن گئیں''[۱]

خلیل الرحمٰن اعظمی نے آخری وقت تک زندگی کو پکارا۔ اپنے ہونے کا ثبوت زندگی سے مانگا اور زندگی کی صدا سننے کے لیے مضطرب رہا۔ ''زندگی، اے زندگی''، ردیف کی غزل پوری کی پوری زندگی کی اضطرابی کیفیت کے ساتھ بھرپور رجائیت کا پتہ دیتی ہے۔

ے سو گئے ایک ایک کر کے خانۂ دل کے چراغ!!
ان چراغوں کو جگا دے، زندگی اے زندگی

وہ بساطِ شعر و نغمہ، رت جگے وہ چہچہے!!
پھر وہی محفل سجا دے، زندگی اے زندگی!!
جس کے ہر قطرے سے رگ رگ میں مچلتا تھا لہو
پھر وہی اک شے پلا دے، زندگی اے زندگی
اب تو یاد آتا نہیں کیسا تھا اپنا رنگ روپ
پھر مری صورت دکھا دے، زندگی اے زندگی
ایک مدت ہو گئی روٹھا ہوں اپنے آپ سے
پھر مجھے مجھ سے ملا دے، زندگی اے زندگی
جانے برگشتہ ہے کیوں مجھ سے زمانے کی ہوا
اپنے دامن کو ہوا دے، زندگی اے زندگی
رچ گیا ہے میری نس نس میں مری راتوں کا زہر
میرے سورج کو بلا دے، زندگی اے زندگی ۲

زندگی کی پریشانیوں اور ناکامیوں کے باوجود شاعر نے زندگی سے پیار کیا ہے۔

''زندگی سے محبت کس کو نہیں ہوتی لیکن موت اور زمانے سے بیک وقت مردانہ وار لڑنے کا حوصلہ اور بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے۔مرحوم نے بغیر کسی کی مدد کے اس جنگ کو آخر تک جاری رکھا'' ۳

ذاتی طور پر اعظمی نے وفات سے دو سال پہلے خونی سرطان کے سبب اپنے آپ موت کے قریب تر ہوتے بھی دیکھا اور اجتماعی سطح پر بھی موت کی ارزانی اور بے جرم مارے جانے کے واقعات میں شاعر کا کرب ایک احتجاج بن جاتا ہے۔

کس کو سزائے موت ملے گی؟ یہ کیسی ہے بھیڑ لگی
اور کیا اس نے جرم کیا تھا؟ کوئی نہیں بتلاتا ہے ۴

یہ سوالات، موت کے تناظر میں، اعظمی کے اس کرب کا اظہار بھی ہیں جس میں قدم قدم پر انسانی اقدار اور معاشرے میں تصادم کے خلاف آواز ایک فریاد اور التجا کا رُوپ دھار لیتی ہے۔

بارِ غمِ حیات کو اٹھانے کے دو طریقے انجم رومانی نے وضع کیے ہیں۔اسے ناچار بھی جھیلا جا سکتا ہے اور برغبت بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔تاہم اس کا انحصار زندگی گزارنے والے کے حالات و واقعات اور مزاج پر ہوتا ہے۔ زندگی کے بارے میں انجم رومانی کی پختہ کاری اور انفرادیت کا ایک نقش یہ ہے کہ

''حیات و کائنات پر غور کرنے کے اس زمانے میں کئی طریقے تھے۔ایک طریقہ وہ تھا جس میں گردوپیش کی زندگی کے تلخ حقائق کا ذکر ہوتا تھا۔یہ معاشرتی احساس کی شاعری ہے۔ایسے محسوس

ہوتا ہے کہ انجم رومانی اس روش سے ہٹ کر زندگی کے ازلی اور ابدی سوالات سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ بڑے افکار اور بڑے فلسفیانہ سوالات ان کے شاعرانہ تخیل کو زیادہ تحریک دیتے ہیں۔ کائنات اور انسان کا رشتہ، چیزوں اور مظاہر کی اصلیت، خواب اور حقیقت کا تضاد، کائنات اور زندگی کی غایت، وقت کے گزرنے کا احساس یہ سوالات انجم رومانی کو زیادہ مضطرب کرتے ہیں''۵

دورِ تشکیک سے گزر کر انجم رومانی نے اپنے لیے ایک طرزِ زیست کا انتخاب کیا اور گوہرِ حیات کی تلاش کے لیے ساحلوں کی طرف لپکنے کے بجائے اپنے آپ کو بحرِ حیات کی موجوں اور تھپیڑوں سے گزارنا پسند کیا۔

دل سے گزرے ہیں تو سر ہے درپیش
زندگی ہے تو خطر ہے درپیش ۶

رہ حیات کی دشواریاں یہ کہتی ہیں
کہ دل کو دل نہ سمجھ، اور جاں کو جاں نہ سمجھ ۷

وہ اپنی قوم کے لیے متاعِ وقار اور وجود کا اعتبار مانگتا ہے۔ زندہ رہتے ہوئے بھی جب احساس زندگی سے عاری ہونے لگے تو مذہبی طرزِ فکر ہی زندگی کو جلا بخش سکتی ہے۔ انجم رومانی کی اردو غزل میں اپنے عہد کی مذہب بیزاری اور بے حسی پر کاٹ دار اشعار بھی ملتے ہیں۔

''اے بے حسی ہے فرق ہی کیا اپنے واسطے زیرِ زمیں رہے یا تہہ آسماں رہے۔

اپنے عہد کی دردناک صورت حال پر انجم رومانی نے بڑے کٹیلے تبصرے کیے ہیں۔ معاشرتی ناہمواریوں، روحانی ناآسودگیوں اور سیاسی ظلم و جبر پر ان کے ذیل کے شعر ناقابل فراموش کہے جا سکتے ہیں......

جی رہے ہیں جیا نہیں جاتا مر رہے ہیں قضا نہیں آتی
آب و دانہ کے طلب گار نہیں سانس لینے کو ہوا دی جائے

اسی طرح مسلم ملت کے صدیوں کے جمود و زوال اور فکری تضادات کو کیسے ایمائی اسلوب میں بیان کرتے ہیں اور بڑے سیدھے سبھاؤ زوال کے سبب کی بھی نشاندہی کرتے ہیں:

گہرے سمندروں میں ہے صدیوں سے تہہ نشیں کام اپنی مشت خاک کو موج صبا سے ہے
اٹھائے دوش پہ آلات حرفہ افرنگ چلے ہیں یار بنائے حرم کو ازسرِ نو
دنیا میں پھر کہیں بھی ٹھکانہ نہ مل سکا اٹھے ہم ایک بار درِ مصطفیٰ سے کیا''۸

غیر اسلامی شعائر اور مادہ پرستی سے نفرت کرنے والے انجم رومانی نے زندگی کو اصول و ضوابط کے تحت گزارا۔ اپنے موقف پر استقلال کا مظاہرہ کیا اور ہر چیز کو اس کی مکمل اور بہترین شکل میں دیکھنے کی آرزو اور کوشش

کی۔

''زندگی کے بارے میں ان کا نظریہ موجودہ زمانہ کے نظریۂ زندگی سے مختلف ہے۔ وہ زندگی کو قہقہہ یا تماشا یا کھیل نہیں سمجھتے بلکہ ان کے نزدیک زندگی ایک امتحان ہے اور اس امتحان سے سرخرو گزرنا انسان کا مشن۔ ان کے نزدیک زمانے کی موجودہ روش قابل تعریف نہیں، جن کے تحت لوگ زندگی کی آسائشیں خریدنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ انجم رومانی کے نزدیک زندگی ایک مقدس فریضہ ہے جسے انسان کو حسن وخوبی کے ساتھ بطریق احسن ادا کرنا ہے'' ۹

اوراس فریضہ کی ادائیگی کے لیے قوانین وضوابط پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے ورنہ روگردانی کی صورت میں اس دنیا میں بھی احتساب سے گزرنا پڑتا ہے۔

ے عرصۂ محشر سے کم، عرصہ ہستی نہیں!!!
واں بھی ہے کچھ احتساب، یاں بھی ہے کچھ احتساب ۱۰

....

حیات انسانی کی محرومیوں اور کسمپرسی کو موت کے تناظر میں انجم رومانی نے یوں اجاگر کیا ہے۔

ے مرنے پہ اس میں کون جنازہ اٹھائے گا
جینے کا جس دیار میں یہ انتظام ہو ۱۱

ے مرنے کے بعد حشر جو ہو گا سو دیکھئے
ہیں زندگی میں جان کے لالے پڑے ہوئے ۱۲

پیری اور ضعیفی کا احساس موت کی جھلکی پیش کرتا ہے۔

ے راتوں کو ہانٹ کرتی ہیں یادیں پرانیاں
اے وائے! عمر رفتہ کی ریشہ دوانیاں ۱۳

مجموعی طور پر انجم رومانی کی اُردُو غزل میں مرگ وحیات کا تصور خالصتاً مذہبی ہے۔

زندگی کا گزرتا ہوا لمحہ اور تبدیلی کے تمام آثار وحوادث عزیز حامد مدنی کے لیے دریافت کے عمل کو آگے بڑھاتے ہیں اور زندگی کی تیز روی کا مظہر ہیں۔

ے آغاز ہر تغیر عالم کی حد ہوا
اس کی گلی کا سایہ دیوار کچھ کہو ۱۴

ے تغیر کی زمیں پر آدمی کا تیز رو پر تو
گیا ہے صورت مشعل لیے آئندہ سالوں کو ۱۵

ے ٹوٹا ہوا دل جادۂ دریافت پہ رکھنا
بنیاد تغیر۔ مری جاں ہے کہ نہیں ہے ۱۶؎

ے ہزار مہر ہیں اور اک افق کی بے تابی
بساطِ دیدۂ بینا تغیرات جہاں ۱۷؎

عزیز حامد مدنی کی اردو غزل میں عشق زندگی کی بنیادی کلید ہے۔ کیفیاتِ عشق، دل کی بدلتی حالتیں اس کے نزدیک زندگی ہی کے بدلتے رنگ ہیں۔ زندگی کا ''تلون'' اس لیے غنیمت ہے کہ یہ عشق ومحبت کی نفسی کیفیات کا بھی ایک حصہ ہے۔ زندگی بدلتی ہے تو محبوب کی بے رخی بھی گوارا ہو جاتی ہے۔

ے کبھی تسکین خاطر موج دریا ہے کبھی شبنم
تلون کو غنیمت جان کر چپ ہو گئے ہیں ہم ۱۸؎

ے یہ زندگی ہی تلون مزاج ہے اے دوست
تمام ترک وفا تیری بے رخی ہی نہیں ۱۹؎

ے ثبات غم ہے محبت کی بے رخی آخر
کسی کے کام تو آئی یہ زندگی آخر ۲۰؎

گویا شاعر کے نزدیک نفس کی ہر موج زندگی میں کوئی نہ کوئی پھول ضرور کھلاتی ہے۔

شاعر کے بقول ''صلیب ودار کے قصے'' ہمیشہ لکھے جاتے رہیں گے اور قلم کی جنبش پر بھی ''سر قلم ہوتے'' رہیں گے۔ قبائے حیات، کفن میں تبدیل ہوتی رہے گی۔ مگر ایسی موت پر وہ نوحہ کناں بھی ہے جس میں

ے ہوا نے مانگ لیا آج تارو پو کا حساب
قبا بھی کیا کوئی حصہ کفن کا تھی آخر ۲۱؎

مگر مر کر خاک ہو جانے والے اگر زندگی کی پریشانیاں بڑھاتے ہیں تو دوسری جانب اپنی جاں نثاری کے جذبے سے زندگی کے لیے اکسیر بھی ثابت ہوتے ہیں۔

ے کمال جانثاری ہو گئی ہے خاک پروانہ
اسے اکسیر بھی کہتے ہیں اور خاک پریشاں بھی ۲۲؎

مصطفیٰ زیدی نے اپنی زندگی میں حریف طاقتوں کا سامنا کیا تو زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ حقائق حیات کی تلخی کو برداشت کیا۔ ۱۹۷۰ء میں اعلیٰ عہدے دار کی حیثیت سے برطرف ہونے والوں میں شامل تھے۔ ذہنی خلفشار و انتشار سے گزر بھی ہوا۔ جھوٹ اور ظلم و جور کے دور میں انسان کی تحقیر کا کرب مصطفیٰ زیدی نے محسوس کیا۔ شاعر نے مکر وفریب کی دنیا میں تہذیبی وثقافتی شکست وریخت کا تجزیہ بھی کیا ہے۔

''مصطفیٰ زیدی کے ہاں کربِ ذات اور کربِ دوراں کا ایسا امتزاج ملتا ہے جو ان کی فکر کا سرمایہ

ہے۔اسی سرمایہ کوانہوں نے زندگی سے بھی عزیز تر رکھا۔ وہ بسا اوقات افسردہ بھی نظر آئے مگر انہوں نے اس افسردگی کوخود پر مسلط نہیں ہونے دیا وہ ہرافسردگی کوایک ناگزیر حقیقت سمجھ کر اس سے نبرد آزمار ہے وہ خوش آئند مستقبل کی تمنا میں بھی سرگرم عمل رہے یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے حال سے اپنی نظریں نہیں چرائیں'' ۲۳

کرب کی کوکھ سے جنم لیتی ہوئی زندگی کی تصویر دیکھیے

کسی تو کام زمانے کے سو گوار آئے
تجھے جو پا نہ سکے زیست کو سنوار آئے ۲۴

اقدارِحیات کی کش مکش کا کرب دیکھیے

مری زندگی کی قدروں کی صفیں کھڑی ہوئی ہیں
مرے دل سے ہو رہا ہے مرے ذہن کا تصادم ۲۵

دنیا کے حسن وآتش کا امتزاج یوں پیش کیا ہے وجود کے کرب کا اظہار بھی ہے۔

تابش حسن بھی تھی آتش دنیا بھی، مگر
شعلہ جس نے مجھے پھونکا مرے اندر سے اٹھا ۲۶

اسی لیے مصطفیٰ زیدی کوکرب ذات،احساس اور مسائل حیات کا شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔

مصطفیٰ زیدی کا کہنا ہے کہ جس طرح آج کل زیست کے بہت سے مذاہب ہیں اسی طرح موت بھی بہت سی ذاتوں میں تقسیم ہوکر رہ گئی ہے،خود ایک روز لقمہ اجل بننے والا انسان بھی اپنے جیسے انسان کو موت سے ڈراتا ہے۔شاعر نے جوانی کی موت کو رومانوی انداز میں لیا ہے۔

اب جی حد و سود وزیاں سے گزر گیا
اچھا وہی رہا، جو جوانی میں مر گیا ۲۷

عاقلان شہر دیوانوں کو بھی موت کی سزا دینے کے درپے ہیں۔

زنجیر ماتمی ہے، تم، اے عاقلان شہر
اب کس کی پوچھتے ہو، دوانہ تو مر گیا ۲۸

شہدائے وطن کی موت نے زندگی کی صبح کو پرنور کردیا

شام وطن، کچھ اپنے شہیدوں کا ذکر کر
جن کے لہو سے صبح کا چہرہ نکھر گیا ۲۹

شاعر کا خیال ہے کہ جان کنی کا لطف آہستہ آہستہ مرنے میں ہے۔

یکایک ایسے جل بجھنے میں لطف جاں کنی کب تھا

جلے اک شمع پر ہم بھی مگر آہستہ آہستہ ۳۰

لیکن کراچی شہر میں ایک صبح اپنے گھر میں مردہ پائے جانے والے مصطفیٰ زیدی کے بارے میں کون جانتا ہے کہ وہ لطف جاں کنی سے ہم کنار ہوسکا یا نہیں؟

یہاں یہ امر بھی غیر ضروری نہیں کہ ۱۹۵۷ء میں بھائی کی وفات کے بعد شاعر اپنی زندگی کو ''بیکار، بے معنی اور موت سے بدتر'' خیال کرنے لگا تھا۔

ظفر اقبال نے ایک بنی بنائی دنیا کو ٹھکرانے کا عزم کیا اور اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کے عمل کو بار بار دہرایا ہے۔ ایسے میں اسے جن پیچیدگیوں اور کشیدگیوں سے گزرنا پڑتا ہے، اس کا اظہار ظفر اقبال کی اردو غزل میں ملتا ہے۔ لسانی تجربے کی طرح، زندگی کے تجربات کو بھی اس نے متضاد و مخالف رویوں، احساسات اور اقدار کو خوب برتا ہے۔ اس طرح مخالف اشیاء کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیا ہے۔

''وہ تو اپنے اندر کی دنیا کو سنبھالا دینا چاہتا ہے، اپنے نفسی اضطراب کے مختلف منطقوں کے مابین توازن قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ادھر سے کوئی چیز اٹھا کر ادھر کسی خانے میں ڈالنا، پائنتی سے کچھ توڑ کر آئینتی میں جوڑنا، یہی بڑا الٹ پھیر ہے۔ اس اکھاڑ پچھاڑ میں کبھی نروان یا رہائی کا لمحہ بھی آسکتا ہوگا۔ خبر نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ شاعری نے اس کی شخصیت کے تانے بانے کو ادھڑنے سے بچایا ہے ورنہ سب کچھ کبھی کا تار تار ہو چکا ہوتا۔ اس کا اپنا عالم تو یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے منوانا بھی چاہتا ہے اور دوسری طرف خود اپنے اندر اپنے آپ کو رد بھی کیے جاتا ہے''۳۱

پیچ در پیچ تجربات میں زندگی کا انبساط اور اس کی رو آبِ رواں کی طرح ہے۔ اس کے یہاں کائنات میں زندگی کا تسلسل اور سانس کا سلسلہ خدائی ذات کا مرہون منت ہے۔

ے رکھی سانس کی آس اک تیرے دم پر
یہ ہنگامۂ آب و دانہ ہے تجھ سے ۳۲

وہ توبہ کے لیے اضافی عمر کا طلب گار ہے۔

کائنات میں مختصر عناصر کی کھینچ تانی میں، موت ارزاں ہوگئی ہے۔ ظفر اقبال کو جان نکالنے والا جان سے پیارا ہے۔ شاعر کی نظر میں فطرت کے تمام مظاہر، جو اس کائنات کی جان ہیں مثلاً سمندر، دریا، گرد، چاند، تارا، شام، موسم، آب و ہوا، رفتار، خلا، بادل، دھند اور ذرے کائنات میں بکھرے پڑے ہیں۔ اگرچہ ان کو ایک نہیں کیا جا سکتا مگر ایٹمی ہتھیاروں کے نتیجے میں آنے والی موت نے ان کو رسوا کر ڈالا ہے۔

ے ایک نہیں ہو سکتے ہیں اب

بکھرے ہوئے یہ سارے ذرے
ایٹم بن کر ہوئے ہیں رسوا
کیسے پیارے پیارے ذرے ۳۳

ظفر اقبال کی شاعری میں ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے ''اتحاد ثلاثہ لفظ، وجود اور زمین'' کے ذریعے زندگی کے تخلیقی تجربے سے مانوسیت کا سراغ لگایا ہے۔

''تخلیقی تجربہ فنکار کی اس ذات کا اظہار ہے جو موجودہ ''اب'' (Present now) سے تعلق رکھتا ہے.....ظفر اقبال کی شاعری میں استعمال ہونے والا لفظ اس زمین کے ساتھ وابستہ ہے جس نے ظفر اقبال کو جنم دیا ہے'' ۳۴

؎ اپنا جینا، اپنا مرنا
اپنی مٹی، اپنا موسم ۳۵

؎ اپنا مرہون منت ہی رہنا مرتے جیتے
اس وجود میں بیج عدم کے بونا اور نہ ہونا ۳۶

ظفر اقبال کا جینا مرنا لفظ، وجود اور زمین کے لیے ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ محمود الٰہی (پیش لفظ) مشمولہ زندگی اے زندگی، اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۳ء ص ۱۱
۲۔ خلیل الرحمٰن اعظم، زندگی اے زندگی......ص ۵۵۔۵۴
۳۔ راشدہ خلیل (چند باتیں) مشمولہ زندگی اے زندگی، ص ۱۳
۴۔ خلیل الرحمٰن اعظمی، زندگی، اے زندگی ص ۲۳
۵۔ سہیل احمد خاں، دنیا کے کنارے سے از انجم رومانی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۹
۶۔ انجم رومانی، کوئے ملامت، مکتبہ عالیہ، لاہور ۱۹۸۳ء ص ۱۵۱
۷۔ ایضاً ص ۲۲۳
۸۔ ڈاکٹر تحسین فراقی، پس انداز چند تاثرات مشمولہ پس انداز، القمر انٹر پرائزز، لاہور، ۲۰۰۵، ص ۱۲۔۱۱
۹۔ حمیرا ارشاد (مقالہ نگار) انجم رومانی: فن اور شخصیت، پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور، ۱۹۸۸ء ص ۴۵
۱۰۔ انجم رومانی، کوئے ملامت ص ۱۴

۱۱۔ ایضاً ص ۶۲

۱۲۔ ایضاً ص ۱۱۰

۱۳۔ انجم رومانی، پس انداز، ص ۵۹

۱۴۔ عزیز حامد مدنی، دشت امکاں، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۶۴ء ص ۱۳۲

۱۵۔ ایضاً ص ۱۳۵

۱۶۔ ایضاً ص ۱۳۶

۱۷۔ ایضاً ص ۹۰

۱۸۔ ایضاً ص ۸۰

۱۹۔ ایضاً ص ۸۱

۲۰۔ ایضاً ص ۸۳

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ایضاً ص ۸۹

۲۳۔ پروفیسر ڈاکٹر نعیم نقوی، مصطفیٰ زیدی، ایک منفرد شاعر مشمولہ تنقید وآگہی، غضنفر اکیڈمی، کراچی، ص ۱۷۳

۲۴۔ مصطفیٰ زیدی، ڈھونڈ چکا میں موج موج، دیکھ چکا صدف صدف مشمولہ کلیات مصطفیٰ زیدی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱۵۷

۲۵۔ ایضاً ص ۱۶۳

۲۶۔ مصطفیٰ زیدی، وہ اک ستارہ کسی اور آسمان کا تھا مشمولہ کلیات، ص ۲۴

۲۷۔ مصطفیٰ زیدی، گریباں مشمولہ کلیات، ص ۱۹

۲۸۔ ایضاً

۱۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ مصطفیٰ زیدی، قبائے ساز مشمولہ کلیات، ص ۴۷

۳۱۔ محمد سلیم الرحمٰن، (پیش لفظ) آب رواں، ظفر اقبال، کمبائن پرنٹرز، ۱۹۸۱ء، ص ۸

۳۲۔ ظفر اقبال، تجدید مشمولہ کلیاتِ غزل، اب تک (جلد سوم) ملٹی میڈیا انٹرپرائزز، لاہور، ۲۰۰۶، ص ۱۵۶۹

۳۳۔ ظفر اقبال، تقویم مشمولہ اب تک، ص ۱۷۷۲

۳۴۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی، ظفر اقبال کی شاعری، مشمولہ ادبی زاویے، مجلس فروغ ادب، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء ص ۵۲۔۵۳۔

۳۵ ظفر اقبال، تقویم مشمولہ اب تک ص ۱۷۲۸

۳۶ ظفر اقبال، تجاوز مشمولہ اب تک ص ۲۰۴۶

مآخذ:

۱۔ انجم رومانی، کوئے ملامت ،لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۳ء۔

۲۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، پسِ انداز چند تاثرات، مشمولہ، پسِ انداز، القمر انٹر پرائزز، لاہور، ۲۰۰۵ء۔

۳۔ حمیرا ارشاد، مقالہ نگار، انجم رومانی فن اور شخصیت ،لاہور، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۸ء۔

۴۔ ظفر اقبال، کلیاتِ غزل اب تک، جلد سوم، ملٹی میڈیا انٹر پرائززز، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ عزیز احمد مدنی، دشت امکاں، کراچی، اردو اکیڈمی، سندھ، ۱۹۶۴ء۔

۶۔ محمد سلیم الرحمٰن، پیش لفظ، آبِ رواں، ظفر اقبال، کمبائن پرنٹرز، ۱۹۸۱ء۔

۷۔ محمود الٰہی، پیش لفظ، مشمولہ، زندگی اے زندگی، لکھنو، اردو اکادمی، ۱۹۸۳ء۔

۸۔ مصطفیٰ زیدی، کلیاتِ مصطفی زیدی، لاہور، الحمد پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء۔

۹۔ نعیم نقوی، پروفیسر، ڈاکٹر، مصطفیٰ زیدی ایک منفرد شاعر، مشمولہ، تنقید و آگاہی، کراچی، غضنفر اکیڈمی، س۔ن۔